An Najihun
INSTITUTE

الدُّرَّةُ الفَاخِرَةُ فِي التَّعلِيق

عَلَى مُنْظُومَةِ السَّيرِ إِلَى اللهِ وَالدَّارِ الآخِرَةِ

مصنف:
الشيخ عبد الرحمن السعدي (رَحِمَهُ اللهُ)
(1376هـ)

شَارِحُ: شَيخ مَوهبُ الرَّحِيم (حَفِظَهُ اللهُ)

تَلْخِيصُ: عَبْدُ المُعِزْ وَحِيد

فہرست

مقدمة الشارح ---------- 3

مقدمة المصنف ---------- 4

عبادت ---------- 5

اعمال کی قبولیت ---------- 7

خوف اور رجا ---------- 8

محبت ---------- 10

ذکر ---------- 14

فرائض، محرمات اور نوافل ---------- 17

صبر ---------- 18

رضا ---------- 20

شکر ---------- 22

توکل ---------- 23

احسان ---------- 25

خالق و مخلوق سے تعامل ---------- 26

رعایت ---------- 27

تخلیہ اور تحلیہ ---------- 29

اختتام ---------- 30

مقدمہ

علامہ عبد الرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ رحمہ اللہ بلاشبہ امت کے بڑے علماء میں سے تھے۔ 1307ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، جبکہ 1376ھ میں آپ نے وفات پائی۔ جہاں آپ کے اساتذہ ومشائخ میں صالح بن عثمان القاضی، محمد امین شنقیطی، محمد بن عبد اللطیف آل شیخ، اور ابراہیم بن حمد بن جاسر جیسے بڑے نام ہیں، وہیں آپ کے تلامذہ میں بھی ابن عثیمین، عبد اللہ بن عقیل، اور عبد اللہ بن عبد الرحمن البسام جیسے اکابر علماء شامل ہیں۔ رحمهم الله جميعاً

آپ رحمہ اللہ متفنن عالم دین تھے، تفسیر، فقہ، اصول تفسیر، اصول فقہ، وغیرہ میں آپ کو ید طولی حاصل تھا۔ آپ کی کتب کو اللہ عزوجل نے قبول عطا فرمایا۔ سب سے مشہور کتاب "تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان" ہے، جس کا اردو ترجمہ تفسیر سعدی کے نام سے معروف ہے۔ فقہی مسائل پر مشتمل آپ کی کتاب "منهج السالكين" بھی علماء کے ہاں بہت زیادہ پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔

آپ رحمہ اللہ نے جہاں نثر کی صورت میں کتابیں لکھیں، وہاں منظومات کی صورت میں بھی بہت سا علم قید کیا ہے۔ انہی منظومات میں سے ایک نظم "السير الى الله والدار الآخرة" (یعنی اللہ عزوجل اور آخرت کے گھر جانب سفر) بھی ہے۔ اس منظومہ میں امام صاحب نے انسان کی زندگی کو اللہ کی جانب سفر کے طور پر مد نظر رکھ کر اس سفر کی چیدہ چیدہ منازل بیان کی ہیں۔ یہ موضوع اہل علم کے ہاں ایک زمانے سے چلتا آرہا ہے، کہ وہ مختلف عبادات کو انسان کے اللہ کی جانب سفر میں منازل کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق کتاب "مدارج السالكين في منازل اياك نعبد واياك نستعين" بھی اسی طرز پر لکھی گئی ہے۔

آپ رحمہ اللہ نے خود اپنی اس منظومہ پر مختصر تعلیق بھی لگائی ہے، جس کا نام "الدرة الفاخرة" (یعنی قیمتی موتی) رکھا ہے۔ اس تعلیق کی توضیح و شرح کرنے کی کوشش ہے، واللہ الموفق۔

نوٹ: استاذِ محترم نے اس تحریری شرح کی مراجعت نہیں کی۔

✦ متن:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين، والصلاة والسلام على محمد، وآله وصحبه أجمعين۔ اما بعد:

یہ مختصر سی تعلیق ہے، میری منظومہ "اللہ تعالی اور آخرت کے گھر کی جانب سفر" پر۔ تاکہ اس منظومہ کے الفاظ و معانی واضح ہو جائیں، کیونکہ اس میں اللہ کی جانب سفر کی بڑی بڑی منازل جمع ہیں۔ جن کے ذریعے انسان جنتوں میں ربِ کریم کے پڑوس میں پہنچ جاتا ہے، دردناک عذاب اور حجابِ باری تعالی کی اذیت سے بچ جاتا ہے۔ اللہ سے دعا کرتے ہیں، اس کے فضل اور احسان سے، کہ وہ اس تعلیق کو اپنے لئے خالص کر لے اور اپنے قریب کر لے۔

✦ شرح:

امام صاحب نے اس منظومہ میں فقط اہم اہم منازل ذکر کی ہیں، کیونکہ اللہ کی جانب سفر کی منازل بہت زیادہ ہیں۔ ہر عبادت اپنی ذات میں ایک منزل ہے۔ ان تمام منازل کی تفصیلی شرح کے لئے ابن القیم رحمہ اللہ کی کتاب "مدارج السالکین" کی جانب رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے بتایا کہ یہ منازل انسان کو جنت میں، اللہ عزوجل کے پڑوس میں، پہنچا دیتی ہیں۔ جنت لغت کے مطابق تو باغ کو کہتے ہیں، لیکن شرعی اصطلاح میں اس سے مراد، جیسا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ ایسا ٹھکانہ جہاں تمام نعمتیں موجود ہیں۔ سب سے اعلی نعمت دیدارِ باری تعالی ہے، اور اس کے علاوہ بھی وہ تمام چیزیں ہیں جن کی نفس خواہش کرتا ہے اور ان سے آنکھیں لذت پاتی ہیں۔ ایسی نعمتیں بھی ہیں جنہیں انسان جانتا ہے، اور ایسی بھی ہیں جو انسان نہیں جانتا۔ امام صاحب نے جنت کو اللہ کا پڑوس اس لئے کہا ہے کہ یہ اللہ سبحانہ وتعالی کے بہت قریب ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ تم اللہ سے فردوس مانگا کرو، اس کے اوپر عرش ہے۔

آخر میں امام صاحب نے یہ ذکر کیا کہ یہ منازل انسان کو عذاب، اور حجاب باری تعالی کی اذیت سے بچا لیتی ہیں۔ جس طرح اللہ عزوجل کا دیدار سب سے بڑی نعمت ہے، اسی طرح اللہ عزوجل کو دیکھنے سے محروم رہنا اب سے بڑی تکلیف اور عذاب ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالی سے دعا ہے کہ ہمیں اپنا دیدار عطا فرمائے، اور ہمیں محروم نہ کرے۔ (آمین)

"العبادة"

✦ متن:

جان لو کہ بندے سے جو چیز مطلوب ہے وہ: اللہ کی عبادت، اس کی معرفت، اس کی محبت، اس کی جانب مسلسل رجوع کرنا اور سلامتی والے گھر کے رستے کو اختیار کرنا ہے۔

لیکن اکثر لوگوں پر مادیت غالب آچکی ہے، ان پر شہوات و عادات کی حکمرانی ہے، چنانچہ وہ اس مقصد کے لئے عزم نہیں کرتے، نہ ہی اسے اپنی اولاد کی بنیاد بناتے ہیں بلکہ وہ اس مقصد سے منہ موڑ کر شہوات کے ساتھ مشغول ہو گئے ہیں، اور اپنی من پسند چیزوں پر تکیہ کر بیٹھے ہیں اور جو ان کا وقت ضائع ہو چکا ہے اس کی انہیں کوئی فکر لاحق نہیں ہے—وہ اپنی جہالت اور ظلم میں سر گرداں ہیں، اللہ سے روک ڈالنے والی لذتوں میں منہمک ہیں، اپنے رب کے ذکر سے غافل ہیں، اپنے دین کے مصالح کو ضائع کر رہے ہیں، اور پسندیدہ چیزوں کے عشق کے نشے میں مبتلا ہیں۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وہ اللہ کو بھول گئے تو اس نے انہیں ان کا اپنا آپ بھلا دیا، یہی لوگ فاسق ہیں

(سورۃ الحشر:19)

اس خوابِ غفلت اور بڑی مصیبت سے سوائے چند عقلمند اور شریف لوگوں کے علاوہ کوئی متنبہ نہیں ہوتا ان عقلمند لوگوں نے جان لیا ہے کہ نقصان سارے کا سارا یہ ہے کہ انسان اس چیز میں مشغول ہو جو مصیبت اور محرومی کے سوا کچھ نہیں لاتی، اس کے عوض انسان کو فقط خسارہ ہی ملتا ہے۔ پس انہوں نے کامل چیز کو ناقص چیز پر ترجیح دی، فانی کے بدلے باقی رہنے والی چیز خرید لی، ذمہ داری اور عبادت کی تھکن طاری کر لی، حتی کہ یہ ان کے لئے لذت اور عادت بن گئی پھر یہ لوگوں کے لیے قدوہ بن گئے۔

پس ان کی صفات سن لو اور ان صفات کو اپنانے میں اللہ سے مدد مانگو:

1. خوش بخت ہیں وہ لوگ جو ہلاکت کے راستوں سے بچ گئے اور انہوں نے خوشنودی کی منازل طے کیں۔

یہ ان کا اصل راستہ ہے، کہ وہ نقصان کے راستوں سے بچ کر کامیابی کے راستے پر چلتے ہیں، شیطان کے راستے سے بچ کر رحمن کے راستے پر چلتے ہیں، عذاب کے راستے سے بچ کر جنت کے راستے پر چلتے ہیں، گناہ چھوڑ کر نیکیاں کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے دلوں، زبانوں اور اعضاء کو محرمات اور مکروہات سے پاک کر کے واجبات اور مستحبات میں مشغول کر دیا ہے۔ اعلی اخلاق سے آراستہ ہو گئے، اور ادنی اوصاف سے علیحدہ ہو گئے۔

✦ شرح:

امام صاحب نے ابتداء میں ذکر کیا کہ انسان سے مطلوب اللہ کی عبادت ہے اس کی اصل اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

(الذاریات:56)

(اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں)۔ پھر امام صاحب نے سلامتی والے ٹھکانے کے راستوں کا ذکر کیا ہے کہ کتاب وسنت میں اللہ کی جانب، سلامتی کی جانب جانے والے راستوں کے لئے جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کی جانب لے جانے والے بہت سے راستے ہیں، ہر عبادت فی نفسہ ایک راستہ ہے۔ اور ہر عبادت کا اپنا خاص مقام ہے۔

امام صاحب نے آگے لوگوں کی اکثریت کا حال ذکر کیا ہے، اور آخر میں اللہ عزوجل کا فرمان نقل کیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کو بھول چکے ہیں، پس اس نے انہیں اپنا آپ بھلا دیا ہے۔ یعنی ان لوگوں کو اللہ نے اپنے برے بھلے کی تمیز بھلا دی ہے۔ یہ کچھ نہیں دیکھتے کہ کیا چیز ان کے لئے نفع مند ہے، کس چیز کے لئے یہ دنیا میں آئے ہیں اور کیا چیز ان کی آخرت تباہ کرنے والی ہے۔ آگے امام صاحب نے ذکر کیا ہے کہ بہت کم ایسے عقلمند لوگ ہیں جو اس چیز سے ہوشیار رہے ہیں اور درست راہ پر چلتے رہے ہیں۔ تو یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ درست راہ پر چلنے والے لوگوں میں کم اور اجنبی لوگ رہے ہیں۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے:

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ

(سبا:13)

(اور بہت تھوڑے میرے بندوں میں سے شکر گزار ہیں) یہی وجہ ہے کہ سلف فرماتے تھے: اللہ کی جانب سفر کرنے والوں کی تعداد تمہیں وحشت میں مبتلا نہ کرے۔ چنانچہ درست راہ پر گامزن لوگ کم ہی کیوں نہ ہوں، بندہ مومن کو چاہیئے کہ وہ اسی راہ پر چلتا رہے۔

✦ متن:

2۔ یہ وہ لوگ ہیں نے اپنی چال میں اخلاص اختیار کر لیا ہے
اور ایمان کے مطابق شریعت پر چلتے ہیں۔

یہ دو قاعدے؛ اخلاص اور متابعت ، ہر ظاہری و باطنی عبادت کے لئے شرط ہیں کیونکہ ہر وہ عمل جس سے اللہ مقصود نہ ہو تو وہ باطل ہے، اور ہر وہ عمل جو نبی ﷺ کی سنت کے مطابق نہ ہو تو وہ مردود ہے۔ اگر کسی عمل میں معبود کے لئے اخلاص، یعنی فقط اللہ تعالی مقصود ہونا، اور رسول ﷺ کی متابعت ہو، یعنی وہ عمل ان کے حکم کے مطابق ہو اور یہ دونوں جمع ہو جائیں تو وہ عمل مقبول ہے۔

✦ شرح:

امام صاحب نے اس شعر میں اعمال کی قبولیت کی دو شرائط بیان فرمائی ہیں۔ اس عمل کا اللہ عزوجل کے لئے خالص ہونا، اور نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا

(سورۃ الملک 2)

(تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے)۔ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "یعنی کس کا عمل زیادہ صواب اور زیادہ خالص ہے." پوچھا گیا: "زیادہ صواب اور زیادہ خالص ہونے سے کیا مراد ہے؟" فرمایا: "اگر عمل خالص ہو اور صواب نہ ہو تو قبول نہ ہو گا۔ اگر صواب ہو مگر خالص نہ ہو تو قبول نہ ہو گا۔ حتیٰ کہ خالص اور صواب ہو، خالص سے مراد اللہ کے لئے ہونا ہے، اور صواب سے مراد سنت کے مطابق ہونا ہے۔"

کلمہ طیبہ، لا الہ إلا اللہ محمد رسول اللہ کا بھی یہی معنی ہے، لا الہ الا اللہ سے مراد اخلاص ہے، جبکہ محمد رسول اللہ متابعت کی جانب اشارہ کرتا ہے اور شیطان دونوں جانب سے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، عمل میں ریاکاری کا عنصر ڈال کر اخلاص ختم کرتا ہے، اور سنت کے بجائے بدعت پر لگا کر متابعت ختم کرتا ہے۔ اخلاص کے لئے انسان کو مجاہدے کی ضرورت ہے، بار بار نیت درست کرتا رہے۔

جیسا کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "میں نے نیت سے شدید کسی چیز کا علاج نہیں کیا، کیونکہ میری نیت بار بار تبدیل ہو جاتی تھی۔" جبکہ متابعت رسول ﷺ کے لئے علم حاصل کرنا ضروری ہے یعنی انسان کو علم ہو کہ فلاں فلاں عمل سنت میں سے ہے، اور فلاں فلاں طریقہ بدعی طریقہ ہے، پھر اس کے عمل میں متابعت رسول ﷺ آ سکے گی۔ اور ان دونوں کاموں — مجاہدہ اور علم حاصل کرنا — کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل سے دعا کرنا بھی نہایت اہم ہے، کیونکہ اس کی توفیق کے بغیر نہ ہی اخلاص نصیب ہو سکتا ہے نہ ہی متابعت رسول ﷺ۔

✦ متن:

3۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے سفر کی منازل کو بنایا ہے اللہ سے رجاء اور خوف کے درمیان۔

یعنی یہ لوگ اپنے تمام امور میں خوف اور رجاء (امید) کو لازم پکڑتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نظر اپنے آپ اور اللہ کے حق میں کوتاہی کی جانب بھی ہوتی ہے، جس سے خوف پیدا ہوتا ہے۔ اور ان کی نظر اللہ تعالی کے احسانات اور فضل کی جانب بھی ہوتی ہے جس سے رجاء پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ اللہ کی عظمت اور جلالت، حکمت وعدل پر مبنی صفات دیکھتے ہیں تو ان لوگوں کو ان صفات کے تقاضے پورے ہونے سے ڈر لگتا ہے۔ اور جب یہ رحمت، سخاوت، کرم اور احسان پر مبنی صفات کو دیکھتے ہیں تو اس کے مطابق امید لگا لیتے ہیں۔

پس اگر یہ لوگ نیکی کرتے ہیں تو خوف اور رجاء کو جمع کرتے ہیں؛ اس کی قبولیت کی امید رکھتے ہیں اور رد کر دیئے جانے سے ڈرتے ہیں۔

اگر ان سے گناہ سرزد ہو تو سزا سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے فضل سے مغفرت کی امید بھی رکھتے ہیں۔ گویا یہ لوگ ہمیشہ خوف اور رجاء کے درمیان متردد رہتے ہیں، اور انہی دو کی جانب لپکتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ سبقت لے جانے والے ہیں، اور یہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔

✦ شرح:

امام صاحب نے یہاں اہلسنت والجماعت کا ایک بڑا اصول ذکر کیا ہے، کہ سالک کو ہمیشہ خوف اور رجاء جمع کرنے چاہئیں۔ جیسا کہ معروف قول ہے: عبادت ایک پرندے کی مانند ہے، جس کا سر محبت، ایک پر خوف اور ایک رجاء ہے اگر سر کچل دیا جائے تو پرندہ ہی نہ بچے گا، اور کوئی ایک پر بھی اتار دیا جائے تو پرندہ پرواز سے قاصر رہے گا۔ بعینہ یہی معاملہ عبادت کا ہے، اس کی اصل محبت ہے، اور اس کے درست ہونے کے لئے خوف اور رجاء دونوں کی موجودگی ضروری ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا (الانبیاء:90)

(اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارنے والے تھے)

اسی طرح دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ

(آخرت سے ڈرتا اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہے)

ایک مقام پر اللہ عزوجل فرماتا ہے:

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ • وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ (الحجر:49-50)

(میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ بے شک میں ہی ہوں بخشنے والا مہربان، اور میرا ہی عذاب دردناک عذاب ہے)

الغرض یہ مضمون قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر بیان ہوا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جو اللہ کی عبادت فقط محبت کے ساتھ کرے تو وہ زندیق ہے، جو فقط خوف کے ساتھ عبادت کرے تو خارجی ہے، جو فقط رجاء کے ساتھ عبادت کرے تو مرجئ ہے اور جو شخص محبت، خوف اور رجاء کے ساتھ عبادت کرے تو وہ مومن اور مؤحد ہے"۔

❖ ایک گمراہ نظریہ کارد:

کیونکہ بعض صوفیاء نے یہ تلبیس ڈالی تھی کہ عبادت جنت کی امید، یا جہنم کے خوف سے نہیں کرنی چاہئے بلکہ فقط اللہ کی محبت میں عبادت کی جانی چاہئے۔ یہی نظریہ آج بھی بہت سے لوگ پھیلاتے نظر آتے ہیں، کہ حوروں کے شوق میں عبادت نہیں ہوتی، عبادت وہ ہے جو اللہ کی محبت میں ڈوب کر کی جائے یہ نہایت گمراہ کن نظریہ ہے، اور اہلسنت والجماعت کے منہج سے متصادم ہے۔

درحقیقت، جنت کے شوق یا جہنم کے خوف سے عبادت کرنا بھی اللہ سے ہی متعلق ہے، اس سے مختلف نہیں۔

❖ ایک مثال:

یوں سمجھئے کہ اگر کوئی بادشاہ کسی کے لئے اعلی پکوان بنوا کر، خوب اہتمام کے ساتھ اس کی دعوت کرے۔ اور وہ شخص اس کھانے میں رغبت نہ رکھے، اور اس سے بے نیازی ظاہر کرے، تو کیا یہ رویہ بادشاہ کو پسند آئے گا؟ ہرگز نہیں! اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ کی بنائی ہوئی جنت سے بے پروائی ظاہر کرے گا تو یقیناً یہ چیز اللہ کے غضب کو دعوت دے گی، نبی ﷺ اللہ سے جنت کا سوال کرتے تھے، اور جہنم سے پناہ طلب کرتے تھے۔

ایسا نظریہ کہ جنت جہنم کی پرواہ نہیں، یہ اپنی اصل میں اللہ عزوجل کو چیلنج ہے۔ کہ جتنا مرضی دردناک عذاب بنالو، مجھے کوئی ڈر نہیں اور جتنی مرضی شاندار جنت تیار کرلو، مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ نعوذباللہ من ذالک۔

ابو علی الجوزجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "تین چیزیں عقدِ توحید میں سے ہیں؛ خوف رجاء اور محبت۔ انسان گناہ کرتا ہے اور اس پر اللہ کی وعید سنتا ہے تو خوف لاحق ہوتا ہے، نیکی کرتا ہے اور اس پر اللہ کے وعدے سنتا ہے تو رجاء پیدا ہوتی ہے اور کثرت سے ذکر کرتا ہے تو محبت ہو جاتی ہے پس ڈرنے والا مسلسل بھاگتا رہتا ہے، امید والا مسلسل طلب رکھتا ہے، اور محبت کرنے والا مسلسل ذکر کرتا ہے۔ خوف روشن آگ کی مانند ہے، اور رجاء روشن نور ہے جبکہ محبت روشنیوں کی روشنی ہے۔

حاتم الاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اطاعت کی اصل تین چیزیں ہیں؛ خوف رجا اور محبت۔ معصیت کی اصل بھی تین چیزیں ہیں؛ تکبر حرص اور حسد۔

✦ متن:

4۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو بھر دیا ہے رحمن نے اپنی محبت اور چاہت سے۔

یہ منزل –یعنی محبت کی منزل– تمام منازل کی اصل ہے، اسی سے تمام نیک اعمال اور اعلی منازل جنم لیتی ہیں۔

محبت کا معنی ہے: دل کا محبوب سے جڑ جانا، اس سے ایسے چپک جانا کہ اس سے کبھی جدا نہ ہو۔

محبت کا تقاضہ ہے کہ محب ہر اس چیز سے رک جائے جو محبوب کو ناپسند ہو، اور کھلے دل اور کشادہ سینے کے ساتھ اس کی رضا والے کاموں کی طرف دوڑے۔ پس اگر بولے تو اللہ کے لئے، خاموش ہو تو اللہ کے لئے، حرکت کرے تو اللہ کے لئے، ساکت ہو تو اللہ کے لئے، اور اس محبت سے اس کے اندر اللہ کی جانب شوق پیدا ہو، اور ایسی بے چینی کہ اسے قرار نہ آئے۔

اگر کہا جائے: کیا محبت، جو سب سے اعلی مرتبہ ہے، اس کے کوئی اسباب و وسائل بھی ہیں؟

تو جواب یہ ہے کہ اللہ نے کوئی بھی مطلوب ایسا نہیں بنایا جس کو حاصل کرنے کے لئے کوئی سبب نہ ہو۔ پس محبت کے بڑے اسباب میں سے ہے: اللہ سے روکنے والے ہر قول، فعل اور نظریے سے احتراز برتنا، اور حضورِ قلب کے ساتھ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا، اور اس کے کلام کریم میں تدبر کرنا، اس کی بڑی بڑی نعمتوں پر غور کرنا، اس کے سامنے حضورِ قلب کے ساتھ کھڑا ہونا، اس کے سامنے کھڑے ہونے میں ادب اختیار کرنا، محبت کرنے والوں کی صحبت رکھنا۔ پس جو شخص یہ کرے گا تو وہ اللہ کی محبت پا لے گا، ان شاءاللہ، واللہ المستعان۔

✦ شرح:

امام صاحب نے یہاں تمام عبادات کی اصل –یعنی محبت– ذکر کی ہے۔ عبادت تب تک عبادت نہیں کہلاتی جب تک اس میں محبت کا عنصر شامل نہ ہو اور جس دل میں اللہ کی محبت سرے سے موجود ہی نہ ہو تو یہ مومن نہیں ہے! انسان ساری زندگی سجدے میں پڑا رہے مگر دل میں اللہ کی محبت نہ ہو تو رائیگاں ہے ساری ریاضت۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اہل ایمان کی نشانی یہی بتائی ہے کہ وہ اللہ سے غایت درجے کی محبت رکھتے ہیں, چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ)

(اور ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں)

❖ محبت کی تعریف:

اس کے بعد امام صاحب نے محبت کی تعریف بیان کی ہے۔ اگرچہ اہل علم نے محبت کی تعریف میں بہت طویل کلام کیا ہے، اور مختلف تعریفات بیان کی ہیں، لیکن صحیح قول کے مطابق محبت کی کوئی تعریف کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ روزِ روشن سے زیادہ واضح چیز ہے، جس کو ہر جاندار فطرتی طور پر محسوس کرتا ہے، سمجھتا ہے۔ اس کی تعریف بیان کرنا اس کی روشنی مانند کرنے کے برابر ہے۔ چونکہ یہ ہر چیز کی محرک ہے، اس لئے اس کو ہر کوئی سمجھتا ہے، اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ایسا جذبہ ہے جو پہلے دن کے بچے کے دل میں بھی ہوتا ہے! اہل علم نے جو تعریفات بیان کی ہیں، دراصل وہ اس کے تقاضے، علامات، لوازم وغیرہ ہیں۔ مثلاً:

محبوب کو ناراض کرنے والی تمام چیزوں سے اجتناب کرنا۔ چنانچہ امام شافعی نے اس معنی میں اشعار کہے ہیں :

تَعصي الإِلَهَ وَأَنتَ تُظهِرُ حُبَّه   هَذا مَحالٌ في القِياسِ بَديعُ

لَو كانَ حُبُّكَ صادِقاً لَأَطَعتَه   إِنَّ المُحِبَّ لِمَن يُحِبُّ مُطيعُ

(تم اللہ کی نافرمانی کرتے ہو، اور اس کی محبت کا اظہار بھی کرتے ہو، یہ محال ہے، عقل اس بات کو نہیں تسلیم نہیں کرتی۔ اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم اس کی اطاعت کرتے، کیونکہ ہر محب اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔)

جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں" : محبت اور مخالفت دو متضاد چیزیں ہیں۔ "یعنی ایسا ممکن نہیں کہ انسان کو کسی سے محبت بھی ہو، اور اس کی مخالفت بھی کرے۔

مسلم بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں" : میں نہیں جانتا اس شخص کے ایمان کا کیا حساب ہے، جو کوئی نافرمانی چھوڑتا ہی نہیں۔

علی بن بکار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ کی محبت اس کی اطاعت ہے۔ پس اگر تم نے اس کی اطاعت کی تو تم نے اس سے محبت کرلی۔ "بعض سلف فرماتے تھے: "محبت دراصل محبوب کی مراد پر اپنی مراد کو قربان کر دینا ہے"۔

❖ ایک سوال اور اس کی حقیقت:

یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے، کیا کسی سے اللہ کی نافرمانی ہو جائے تو وہ اللہ سے محبت نہیں کرتا؟ بہت سے لوگ اس مسئلے میں خلط ملط کا شکار ہو جاتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اطاعت محبت کے تقاضوں میں سے ہے، لوازم میں نہیں۔ لوازم میں فقط جنسِ اطاعت ہے، یعنی کچھ نہ کچھ اطاعت ضرور ہو۔ سادہ لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اللہ کی نافرمانی اور محبت دونوں جمع ہو سکتی ہیں۔ اگر نافرمانی ایسی نہ ہو کہ وہ اصلِ محبت کی نفی کرے، تو ایسا ممکن ہے کہ اس کے دل میں نافرمانی کے باوجود محبت بھی ہو۔ البتہ یہ کمالِ محبت سے محروم ضرور ہے۔ مثلاً: کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے، زنا کرتا ہے لیکن اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتا، تو اس کے دل میں محبت ہے، اگرچہ ناقص ہے۔ دوسری جانب اگر کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے، تو اس کے دل سے مکمل محبت زائل ہو چکی ہے۔ ایک صحابی کو شراب پینے پر کوڑے لگے تھے، دوسری بار پھر شراب پینے پر لائے گئے تو لوگوں نے لعنت کی۔

چنانچہ رسول ﷺ نے فرمایا: "اس کو لعنت نہ کرو، میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح مسلم: 4452)

جب یہ بات سمجھ آ جائے، تو جان لیجئے کہ جتنی اطاعت زیادہ ہو گی، اتنی ہی محبت زیادہ ہو گی، اور جتنی نافرمانی بڑھ جائے گی، بعینہ اتنی محبت کم اور ناقص ہو جائے گی۔

کثرت سے ذکر کرنا۔

بعض سلف فرماتے تھے: "محبت یہ ہے کہ انسان اپنی سانسوں کے برابر محبوب کا ذکر کرتا جائے"۔

• اللہ تعالی سے محبت کرنے والوں سے محبت کرنا۔ چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں: "اولیاء اللہ کی محبت اللہ کی محبت پر دلیل ہے۔

اللہ تعالی سے ملاقات کا شوق رکھنا۔ حدیث میں آتا ہے: "جو اللہ سے ملاقات پسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے۔ اور جو اللہ سے ملاقات ناپسند کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے ملنا ناپسند کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض سلف سے جب پوچھا گیا کہ محبت کیا ہے، تو فرمایا: "دنیا میں رہنے کی کراہت (تاکہ اللہ سے جلد از جلد ملاقات کر سکے)۔"

❖ محبت کے بعض اسباب:

اس کے بعد امام صاحب نے محبت کے بعض اسباب ذکر کئے ہیں۔ ان اسباب کے علاوہ ایک بڑا سبب اللہ عزوجل سے دعا کرنا بھی ہے۔ کوئی بھی نعمت اللہ کے فضل سے ہی نصیب ہوتی ہے، اور اللہ کی محبت تو عظیم ترین نعمت ہے۔ چنانچہ انسان کو نبی ﷺ کی یہ مسنون دعا کثرت سے پڑھنی چاہئے: اللَّهمَّ إنِّي أسألُكَ حُبَّكَ، وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ، وَالعمَلَ الَّذِي يُبَلِّغُني حُبَّكَ، اللَّهُمَّ اجعل حُبَّكَ أَحَبَّ إليَّ مِن نَفسي، وأهْلي، ومِن الماءِ البارِدِ: سنن ترمذی 3490

محبت کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اپنی کمی کوتاہی کو مد نظر رکھتے ہوئے، اللہ کی نعمتوں پر غور کرے۔ ہم میں سے ہر شخص اللہ کے حق میں کتنی کوتاہی کا شکار ہے، لیکن اس سب کے باوجود اللہ کی ہم پر نعمتیں کم ہونے کے بجائے ہر لحہ بڑھتی جاتی ہیں۔

سہل بن عبد اللہ التستری رحمہ اللہ فرماتے تھے: "اللہ ہر دن آواز لگاتا ہے کہ میرے بندے، تو مجھ سے ناانصافی کرتا ہے، میں تجھے یاد کرتا ہوں تو مجھے بھلا دیتا ہے میں تجھے اپنی طرف بلاتا ہوں تو غیر کی جانب چلا جاتا ہے میں تجھ سے تکالیف دور کرتا ہوں اور تو مسلسل گناہ کرتا چلا جاتا ہے۔ اے ابن آدم، کل تو میرے پاس آئے گا تو کیا کہے گا؟"

حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: "اے میرے الہ، تو نے مجھ پر نعمت کی تو شکر گزار نہ پایا۔ تو نے آزمائش میں ڈالا تو صابر نہ پایا۔ مگر تو نے میرے شکر نہ کرنے پر نعمت چھینی نہیں، اور صبر نہ کرنے پر آزمائش کو بڑھایا نہیں۔"

اس معنی میں ایک شاعر کہتا ہے:"جو ذات ناراضی کے باوجود اتنا احسان کرتا ہے، توجب وہ راضی ہو گا تو کیا معاملہ کرے گا؟

اللہ کی محبت ہونے کے دیگر اسباب میں سے ہیں: اسلام میں اللہ کی محبت کی اہمیت پر غور وفکر، روزمرہ کی مسنون دعاؤں پر غور کرنا، اللہ انسان کے حقیر عمل پر بھی کیسے نوازتا ہے، اس پر غور کرنا، گناہوں کی معافی کے اتنے زیادہ اسباب عطا کئے، اس پر غور فکر کرنا، اللہ تعالی کے جمال و کمال، اسماء وصفات پر غور وفکر کرنا۔ ان تمام اسباب کو ابن القیم رحمہ اللہ نے دو اصول کی جانب لوٹا دیا، چنانچہ فرماتے ہیں:"محبت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک محبت وہ ہے جو محبوب کے احسانات وانعامات سے پیدا ہوتی ہے، اور دوسری محبت وہ جو محبوب کے جمال و کمال سے جنم لیتی ہے"۔

جب اللہ کی محبت دل میں آجائے، تو جان لیجئے کہ انسان کا اللہ سے محبت کرنا عجیب بات نہیں ہے، کیونکہ اس کے انسان پر احسانات ہی اتنے ہیں کہ محبت لازم ہے۔ اصل کمال یہ ہے کہ اللہ بندے سے محبت کرے یہ وہ درجہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں ہے۔ اس کے لئے بھی قرآن و سنت میں بہت زیادہ اسباب بیان ہوئے ہیں۔

مثلاً نبی ﷺ کی اطاعت کرنا۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے:

قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ(آل عمران:31)

(کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا)۔

- ❖ احسان کرنا_ اللہ فرماتا ہے: **إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُحۡسِنِينَ**(بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔
- ❖ کثرت سے توبہ کرنا: فرمان باری تعالی ہے: **إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ**(بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔)
- ❖ فرائض ونوافل پر مواظبت اختیار کرنا_ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے:

"میں نے بندے پر جو چیزیں فرض کی ہیں، ان سے زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہیں جس سے وہ میرا قرب حاصل کرے (یعنی فرائض کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرنا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے) اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے (بھی) میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔"(صحیح البخاری:6502)

الغرض کتاب وسنت میں اس موضوع پر بہت سی نصوص وارد ہیں۔

✦ متن:

5۔ یہ لوگ کثرت سے اس (پروردگار) کا ذکر کرتے ہیں پوشیدہ، اعلانیہ اور ہر وقت

یہ بہت عظیم منزل ہے، اور ہر انسان کو اس کی حاجت ہے بلکہ اس کی ضرورت انسان کی تمام ضروریات سے اولی ہے پس اللہ کا ذکر ہی وقت کی آبادکاری ہے، اسی سے ھم و غم اور کدورتیں چھٹ جاتی ہیں، خوشیاں اور مسرتیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ ویران دلوں کی آبادکاری ہے، اسی طرح یہ جنت کے پودوں کی مانند ہے۔ اس سے انسان اعلی مقامات تک پہنچتا ہے۔ الغرض اس میں ایسے فوائد ہیں جو گنتی سے باہر ہیں، ایسے فضائل ہیں جو ختم ہی نہیں ہوتے، شمار ہی نہیں کئے جاسکتے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا • وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (الاحزاب:42)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو)

عبداللہ بن بسر سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول! اسلام کے احکام و قوانین تو میرے لیے بہت ہیں، کچھ تھوڑی سی چیزیں مجھے بتا دیجئیے جن پر میں (مضبوطی) سے جمار ہوں، آپ نے فرمایا: "تمہاری زبان ہر وقت اللہ کی یاد اور ذکر سے تر رہے" (ترمذی 3375)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "مفردون سبقت لے گئے۔" صحابہ نے پوچھا کہ مفردون سے کون مراد ہیں؟ فرمایا: "اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے اور کرنے والیاں۔"

اس معنی میں میرے اشعار ہیں:

1. اور ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہو — کیونکہ اللہ کے ذکر کا کوئی خاص وقت نہیں ہے
2. اہلِ عرش کا تنہائی میں اور اعلانیہ ذکر — بدبختی اور پریشانیاں زائل کرتا ہے
3. اس سے دنیا و آخرت کی خیر حاصل ہوتی ہے — اور وسوسے آئیں تو چھوٹ جاتے ہیں
4. ایک دن نبی ﷺ نے صحابہ کو بتلایا — کہ کثرت سے ذکر کرنے والے مفرد سبقت لے جاتے ہیں
5. اور معاذؓ کو وصیت کی کہ اللہ سے مدد طلب کریں — اس کے ذکر شکر اور اچھے سے عبادت کرنے پر
6. اور ایک شخص کو وصیت کی جو نصیحت کے لئے آیا تھا — جس پر شریعت کے احکام بھاری ہو گئے تھے
7. کہ تمہاری زبان ذکر سے خشک نہ ہو — اس سے تمام امور میں مدد ملے گی اور سعادت پاؤ گے
8. اور بتلایا نبی ﷺ نے کہ یہ پودے کی مانند ہے — ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں، اور اس سے رہائش گاہیں تیار ہوتی ہیں
9. اور خبر دی کہ اللہ کا ذکر جنت میں باقی رہے گا — جبکہ دیگر تمام عبادت ساقط ہو جائیں گی

10. اور اگر اس کے ذکر میں اس کے علاوہ کچھ (فضائل) نہ ہوتے — کہ یہ اللہ کی محبت کی جانب راستہ ہے

11. اور یہ بندے کو غیبت چغلی سے روکتا ہے — اور ہر برے اور فاسد قول سے روکتا ہے

12. تو یہ ہمارے لئے بہت رغبت کے لئے کافی تھا — اللہ اکیلے کا کثرت سے ذکر کرنے میں

13. لیکن ہماری جہالت ہے کہ ہم ذکر کم کرتے ہیں — جیسا کہ اللہ کی عبادت بھی ہم کم ہی کرتے ہیں

پس اللہ کا ذکر، ذاکر کے دل، قول، قبر اور یوم حشر میں نور ہے۔ واللہ المستعان

✦ شرح:

محبت کی منزل بیان کرنے کے فوراًبعد امام صاحب نے ذکر کا بیان کیا۔ یہ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ محبت کالازمی تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ کا بے تحاشا ذکر کرے۔

مطرف بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں" :ایک محب کبھی بھی محبوب کے متعلق باتوں سے اکتا تا نہیں ہے۔"ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں" :اللہ کی قسم!اللہ کے ذکر کے بغیر دنیا بالکل روکھی پھیکی ہے، اور اس کی ملاقات کے بغیر آخرت بالکل پھیکی ہے، اور اس کے دیدار کے بغیر جنت بالکل بے مزہ ہے۔

اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مومنوں وصف کثرت سے ذکر کرنا بتلایا ہے۔ اللہ فرماتا ہے؛:

وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ

(اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد، اور ذکر کرنے والی خواتین)

اسی طرح ایک مقام پر فرماتا ہے:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ

(وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں)۔

اللہ تعالی نے سیّدنا موسی اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی جانب بھیجتے ہوئے فرمایا؛:

وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي

(اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا)

حتی کہ اللہ عزوجل نے میدانِ جنگ میں بھی مومنوں کو ذکر کرنے کا حکم دیا؛

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الانفال:45)

(مسلمانو! جب (حملہ آوروں کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو لڑائی میں ثابت قدم رہو اور زیادہ سے زیادہ اللہ کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو)۔

الغرض، ذکر کے بارے میں تو بے شمار نصوص وارد ہیں۔ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الوابل الصیب میں ذکر کے 73 فوائد جمع کئے ہیں۔

یہاں یہ تنبیہ ضروری ہے کہ ذکر میں فقط تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، اور قرآن مجید کی تلاوت ہی نہیں، بلکہ بندہ مومن کے دل میں اللہ عزوجل کا استحضار اور مراقبہ بھی شامل ہیں تو ان پہلوؤں کی جانب بھی انسان کی نظر ہونی چاہیے۔

✦ متن:

6۔ یہ لوگ بادشاہ (اللہ) کے قریب ہوتے ہیں

اس کی فرمانبرداری کرنے، اور نافرمانی سے رکنے کے ذریعے

یہ اعمال اللہ کے قریب کرتے ہیں، اور اس تک پہنچا دیتے ہیں۔ مراد اس کی اطاعت ہے خاص طور سے فرائض اور محرمات سے اجتناب کرنا۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے: میں نے بندے پر جو چیزیں فرض کی ہیں، ان سے زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہیں جس سے وہ میرا اقرب حاصل کرے، اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اسی لئے میں نے یہ شعر کہا ہے:

7۔ فرائض اور نوافل بجالانا ان کی عادت ہے

ساتھ اپنی کمی کوتاہی پر بھی نظر رکھتے ہیں

یہ اصل کمال ہے: کہ انسان فرائض ادا کرنے میں جان لگا دے اور کثرت سے نوافل ادا کرے، پھر اپنے آپ کو کوتاہ کار و گناہ گار ہی سمجھتا رہے۔ اعمال کرنے کی کوشش سے اس کی سستی ختم ہو گی، جبکہ اپنے آپ کو کوتاہ کار سمجھنا اس سے خود پسندی ختم کر دے گا، جس کے باعث اعمال باطل و فاسد ہو جاتے ہیں۔

✦ شارح وفقہ اللہ فرماتے ہیں:

امام صاحب نے ان دو اشعار میں تین چیزیں بیان کی ہیں۔ سب سے پہلی چیز ہے فرائض بجالانا اور محرمات سے رک جانا یہ تو ہر انسان پر لازم ہے، اگر نہیں کرے گا تو گناہ گار ٹھہرے گا اور اس کا اللہ کی جانب سفر سرے سے منقطع ہو جائے گا۔

دوسری چیز نوافل میں محنت کرنا ہے۔ نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور سلف صالحین کی زندگیاں دیکھیں تو ہمیں فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل بکثرت ملتے ہیں۔ دراصل وہ یہ بات جانتے تھے کہ فرائض پر اکتفاء کرنے سے نجات تو ممکن ہے، لیکن یہ بہت اچھے دین کی علامت نہیں ہے۔

تیسری چیز امام صاحب نے یہ ذکر کی کہ انسان عبادات میں ہر ممکنہ کوشش کے باوجود بھی اپنے آپ کو گناہ گار و خطاکار کے طور پر دیکھے، تاکہ اس میں خود پسندی کا عنصر نہ آ جائے۔ خود پسندی ایک ایسی مہلک چیز ہے جو نیکیوں کے پہاڑ کو بھی کھا جاتی ہے! یہی وجہ ہے کہ ہماری شریعت میں تمام عبادات کے بعد استغفار داخل ہے، تاکہ بندے کو معلوم ہو کہ وہ جتنی بھی عبادت کر لے وہ اللہ کے حق میں کوتاہی کا شکار ہی ہے۔ نماز کے فوراً بعد استغفار ہے، حج کے اختتام پر استغفار کا حکم ہے، رات جو قیام اللیل کے بعد سحری کے وقت بھی استغفار ہے۔

✦ متن:

8۔ ان لوگوں نے تمام ناپسند چیزوں پر صبر کیا ہے

اس (صبر) میں موجود بھلائی کا شوق رکھتے ہوئے۔

صبر سے مراد ہے: اپنے آپ کو ناپسندیدہ چیز پر روک لینا، اگر اس سے رحمن راضی ہوتا ہو۔

اور صبر کی تین اقسام ہیں:

1. اللہ کی اطاعت پر صبر کرنا، حتی کہ اسے ادا کر دے۔
2. گناہوں سے صبر کرنا، حتی کہ اسے چھوڑ دے۔
3. اللہ کی مقدّر کردہ تکالیف پر صبر کرنا حتی کہ جہالت کا مرتکب نہ ہو۔

پس جب اللہ کی اطاعت سے سستی در آئے، تو اپنے نفس کو اطاعت پر ابھارے، اسے لازم پکڑے، اس اطاعت کے ثواب کی جانب رغبت دلائے۔ جب گناہوں کی جانب بلانے والی چیزیں شدت اختیار کر جائیں تو اپنے آپ کو ان سے روکے، ان کے وبال و نتائج سے ڈرائے پس بندہ تمام امور میں صبر کا محتاج ہے۔

✦ شرح:

بلاشبہ صبر اللہ کی جانب سفر کی بڑی منازل میں سے ایک منزل ہے۔ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر ایمان والوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے ان کا یہ وصف بتایا ہے کہ وہ صبر کرتے ہیں۔ اور صبر کرنے والوں کو مختلف بشارتیں دی ہیں۔

اللہ تعالی فرماتا ہے:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ (سورۃ الزمر: 10)

(بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا)

اس طرح اللہ عزوجل فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ

(بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

الغرض اس معنی میں کتاب و سنت کی بے شمار نصوص موجود ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: "ہم نے سب سے اعلی زندگی صبر کے ذریعے پائی ہے۔"

علی رضی اللہ عنہ ایک دن فرمانے لگے: "ایمان میں صبر کی وہی حیثیت ہے جو جسم میں سر کی ہے۔" پھر اونچی آواز سے گویا ہوئے: "خبر دار! جس کا کوئی صبر نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں."

امام صاحب نے صبر کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں، جن میں پہلی قسم اللہ کی اطاعت پر صبر کرنا ہے۔ مثلاً، شدید گرمی میں انسان کا کھانے پینے کا دل کرتا ہے اور کھائے پیئے بغیر رہنا نفس کو سخت ناپسند ہے۔ لیکن انسان اللہ کی رضا کے لئے روزہ رکھتا ہے تو نفس کو کھانے پینے سے روکے رکھتا ہے، تو یہ اللہ کی اطاعت پر صبر ہوا۔

دوسری قسم ہے گناہوں سے صبر کرنا۔ مثلاً، انسان مال کی خواہش کرتا ہے، اور مال کمانے کے لئے نفس حرام ذرائع پر ابھارتا ہے۔ لیکن انسان اللہ کی رضا کے لئے اپنے آپ کو سود یا دھوکے فراڈ سے روکے رکھتا ہے، تو یہ گناہ سے صبر کرنا کہلائے گا۔

تیسری قسم امام صاحب نے تکلیف دہ مقدور چیزوں پر صبر کرنا بیان کیا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کسی شخص کا کوئی قریبی فوت ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو بین ڈالنے، گریبان چاک کرنے یا "اللہ نے میرے ساتھ ہی ایسا کیوں کیا" اور اس جیسے جملے ادا کرنے سے اپنے آپ کو روکے رکھے تو یہ بھی صبر ہے۔

یہاں یہ تنبیہ ضروری ہے کہ تکلیف دہ امور پر صبر سے مراد یہ ہر گز بھی نہیں کہ انسان اس تکلیف کو رفع کرنے کی کوشش نہ کرے، بلکہ یہ مراد ہے کہ انسان اللہ کو ناراض کرنے والے اقوال و افعال سے پرہیز کرے۔ انسان بیمار ہے، تو علاج کرانا صبر کے منافی نہیں ہے، لیکن اللہ سے شکوے کرنا صبر کے منافی ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ صبر کی پہلی دو اقسام، یعنی اطاعت پر صبر اور گناہوں سے صبر، یہ صبر کی تیسری قسم، یعنی تکلیف دہ امور پر صبر، سے افضل ہیں۔ کیونکہ پہلی دو صورتوں میں انسان کو اختیار ہے۔ انسان چاہے تو نماز پڑھے اور چاہے تو چھوڑ دے۔ اسی طرح چاہے تو جھوٹ بولے، اور چاہے تو نہ جھوٹ بولے۔ جبکہ تیسری قسم میں کچھ حد تک انسان کو اختیار نہیں ہے۔ انسان جتنا بھی واویلا کر لے، اللہ سے شکوے کر لے، اس کو یہ بات معلوم ہے کہ مردہ دوبارہ زندہ نہ ہو گا۔ چنانچہ پہلی دونوں صورتوں میں انسان اللہ کے لئے صبر اختیاری طور پر کرتا ہے، جبکہ تیسری صورت میں کچھ حد تک صبر کرنا مجبوری ہوتی ہے۔ پس پہلی دو اقسام تیسری قسم سے افضل ہیں۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے صبر کے موضوع پر مستقل کتاب "عدة الصابرین" لکھی ہے، جو نہایت ہی عمدہ ہے ایک طالب علم کو خاص طور سے اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

✦ متن:

9۔ انہوں نے رضا کی منزل پر پڑاؤ ڈالا ہے

اسی لیے یہ بڑے امن اور جنت میں ہیں

رضا کی منزل صبر سے اعلی ہے، کیونکہ صبر سے مراد نفس کو ناپسندیدہ چیز پر روکے رکھنا ہے، ساتھ ناپسندیدگی برقرار ہو۔

جبکہ رضا سے یہ ناپسندیدگی ختم ہو جاتی ہے، انسان اللہ سے راضی ہو جاتا ہے، کھلے دل کے ساتھ مطمئن ہو جاتا ہے بلکہ بسا اوقات تکلیف سے بھی ویسی ہی لذت محسوس کرتا ہے جیسی آسودگی میں محسوس کرتا ہے۔ جب انسان اس منزل پر اترتا ہے تو زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے، اور آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے رضا کو عبادت گزاروں کی جنت اور آرام گاہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور جو اللہ سے راضی ہو جاتا ہے تو اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے، جو اللہ کی جانب سے تھوڑے سے رزق پر راضی ہو جاتا ہے تو اللہ اس کی جانب سے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاتا ہے۔ رضا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ کے دینی احکام اور کونی قدری احکام کو کشادہ سینے سے قبول کرے اور اس سے خوش ہو، نہ کہ ناپسندیدگی اور ناگواری کے ساتھ قبول کرے۔

✦ شرح:

امام صاحب نے صبر کے بعد رضا کی منزل بیان کی ہے جو بلاشبہ صبر سے افضل ہے۔

کتاب و سنت میں صبر کا حکم دیا گیا ہے جبکہ رضا کا حکم نہیں ہے بلکہ مختلف مقامات پر اسے اہل ایمان کے اوصاف میں سے بیان کیا گیا ہے۔ گویا صبر واجب ہے، جبکہ رضا مستحب ہے۔ رضا ویسے بھی صبر کی منزل کو متضمن ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ شرعاً تمام احکام پر راضی ہوا جاتا ہے، مگر کونی قدری احکامات میں گناہ پر راضی نہیں ہوا جاتا یعنی انسان کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر راضی رہے، لیکن اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس پر راضی رہنا اور اس کو تقدیر کے ذمے ڈال کر بری کہلانا یہ حرام ہے۔

عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: "اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے پر راضی ہو گیا۔" (مسلم:151)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کہے: رضيت بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد رسولا (میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہوا) تو جنت اس کے لیے واجب گئی۔" (سنن ابو داؤد:1529)

ابن القیم رحمہ اللہ مذکورہ دونوں حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "دین کے تمام احکام و مراحل ان دو احادیث کی جانب لوٹتے ہیں۔"

یہ جان لیناچاہئے کہ کتاب و سنت میں لفظ "رضا" دو معانی میں استعمال ہوا ہے۔ پہلی قسم رضا باللہ ہے یعنی بندہ اللہ کے رب اور معبود ہونے، اس کے اسماء وصفات، تقدیر وغیرہ پر راضی ہو جائے، یہ فرض ہے اور ایمان کی لذت بھی اسی سے مشروط ہے۔ اس رضاء کے درجے کو پانے کی دو بنیادیں ہیں:

1. اللہ عزوجل کی جانب سے توفیق
2. اور اللہ کی معرفت

توفیق پانے کے لئے کثرت کے ساتھ دعا کرنی چاہئے۔

اور معرفت کے لئے اس کی صفات کا بخوبی مطالعہ کرناچاہئے، جس انسان کو یہ معلوم ہو کہ اللہ قادر ہے، اللہ عزیز (غالب ہے) اللہ بدیع (انوکھا موجد) ہے، خالق ہے، مالک ہے، اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، وہ حکیم ہے، اور یہ معانی اس کے دل میں راسخ ہوں تو پورے انشراحِ صدر کے ساتھ اللہ کے رب ہونے، معبود ہونے، اس کی تقدیر وغیرہ پر راضی ہو گا۔ پھر جب یہ شخص اس عظمت و جلالت کے احساس کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے گا، تو اس کو واقعی ایمان کی مٹھاس محسوس ہو گی، برعکس اس شخص کے جو ان معانی کے استحضار کے بغیر ہی کلمہ پڑھ کر گزر جاتا ہے۔

کتاب و سنت میں وارد رضا کی دوسری قسم ہے رضا عن اللہ یعنی انسان اللہ کی نعمتوں، اس کے ثواب وغیرہ پر راضی ہو جائے۔ جنتیوں کے بارے میں اس جہت سے اللہ تعالی نے کچھ جگہوں پر فرمایا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور یہ اللہ سے راضی ہیں۔

✦ متن:

10۔اس کا شکر کیا جس کے فضل نے ہر مخلوق کو گھیرا ہوا ہے

دل، اقوال اور اعمال کے ذریعے

شکر ہوتا ہے:

1. دل سے: یعنی بندہ اللہ کی نعمتوں کو اعتراف و اقرار کرے، اپنے آپ کو ان نعمتوں کے قابل نہ سمجھے بلکہ اس کو محض اللہ کا فضل ہی سمجھے۔
2. زبان سے: یعنی بندہ اللہ کی تعریف کرے، اور اس نعمت کو بیان کرے۔
3. اعضاء سے: یعنی اعضاء کو نافرمانی سے روک لے

پس اگر اللہ دنیا کی کوئی چیز دے تو شکر ادا کرے، کوئی دنیوی چیز لے لے تو بھی شکر ادا کرے، کیونکہ بعض اوقات یہ نعمت اس پر بہت شر لانے والی ہوتی ہے۔ اللہ اگر اطاعت کی توفیق دے تو اسے اللہ کا احسان گردانے، اور شکر ادا کرے۔ واللہ المستعان

✦ شرح:

شکر اللہ کی جانب سفر کا ایک بڑا مرحلہ ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں بہت سی جگہ پر اس منزل کا ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا:

وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ

(اور میری بندوں میں بہت تھوڑے شکر گزار ہوتے ہیں)

شکر کی منزل رضا سے بھی بلند ہے۔ بالترتیب دیکھیں تو سب سے پہلے صبر ہے، اس سے اگلا مقام رضا کا ہے، پھر شکر کا مرتبہ ہے۔ اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ کوئی شخص بیمار ہو جائے۔ اگر وہ اللہ کو ناراض کرنے والے کوئی کلمات نہیں کہتا، تو یہ صبر ہے۔ مزید بڑھ کر یہ سوچتا ہے کہ اس میں کوئی بہتری ہو گی، اور دل سے قبول کرتا ہے تو یہ رضا ہے۔ پھر اگر وہ اللہ کی تعریف بیان کرتا ہے کہ وہ اس بیماری کے ذریعے بیٹھے بٹھائے میرے گناہ معاف کر رہا ہے، تو یہ شکر کی منزل ہے۔

شکر کے بارے میں طالب علم کو دو کتابیں لازمی سامنے رکھنی چاہئیں: مدارج السالکین میں شکر کی منزل کا بیان، اور ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ کی "کتاب الشکر."

✦ متن:

11۔انہوں نے تمام امور میں توکل کو رفیق بنالیا ہے

ساتھ ہی ساتھ رحمن کی رضا کے لئے جان کھپا دیتے ہیں۔

بندہ انہی دو چیزوں سے مکمل ہوتا ہے: اللہ پر توکل اور اطاعت میں رہتے ہوئے کوشش کرنا۔ اگر انسان ان میں سے کسی ایک کو بھی کھودے تو وہ کمال سے محروم ہے پس توکل کی حقیقت ہے:

اللہ پر اعتماد کرنا، مکمل بھروسا کرنا۔ انسان دنیا و آخرت کے کسی بھی معاملے میں نفع کے لئے اللہ پر اعتماد کرے، اپنے آپ سے، اپنی برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت سے بری ہو جائے، نفع مند چیز کے حصول، اور نقصان دہ چیز سے بچنے میں اللہ پر ہی بھروسا رکھے۔ اور مطلوب تک پہنچنے کے اسباب پورے کرنے کی کوشش کرے۔

اس سب کی تفصیل یہ ہے: کہ کوئی عبادت کرنے کا عزم کرے تو اپنی پوری کوشش کرے اس عبادت کو مکمل اور اچھا بنانے کی، اور اپنی جانب سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے پھر اپنے نفس اور قوت سے بری ہو جائے، بلکہ اللہ کی جانب دوڑے اور اس کے پایہ تکمیل تک پہنچنے میں اللہ پر اعتماد کرے اللہ سے اچھا گمان رکھے اور دل سے اس کے حصول میں اللہ پر ہی بھروسا رکھے۔

اور جب نفس کے گناہ کی دعوت پر اجتناب کرنے کا ارادہ کرے تو گناہ چھوڑنے کے اسباب اختیار کرے، اس پر غور کرے، اپنے اعضاء کو گناہ سے پھیر لے پھر اللہ پر اعتماد کرے، اپنے آپ کو بچانے کے لئے اس کی جانب لپکے، اس سے اچھا گمان رکھے کہ وہ بچالے گا۔

اگر بندہ کوئی بھی (اطاعت) کرتے وقت اور (گناہ) چھوڑتے وقت یہ تمام کام کر لے تو امید ہے کہ فلاح پائے گا، ان شاءاللہ۔

جو شخص اللہ سے مدد مانگے، اس پر توکل کرے، لیکن اپنی جانب سے کوئی کوشش نہ کرے تو یہ توکل نہیں ہے بلکہ عجز و رسوائی ہے۔ اسی طرح جو اپنی جانب سے جان کھپا دے لیکن اپنے آپ پر ہی اعتماد کرے، اللہ پر اعتماد نہ کرے تو یہ نامرادی ہے۔

✦ شارح وفقہ اللہ فرماتے ہیں:

امام صاحب نے شکر کے بعد ایک اور عظیم منزل بیان کی ہے اور وہ توکل کی منزل ہے، توکل ایسی منازل میں سے ہے جس پر بہت کم لوگ اعتدال کے ساتھ چل پاتے ہیں ورنہ اکثریت افراط یا تفریط کا شکار ہوتی ہے اور دونوں ہی رویے نہایت غلط ہیں۔ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اعضاء اسباب اختیار کریں اور دل اللہ پر اعتماد کرے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے اونٹ کو باندھ کر اللہ پر توکل کروں یا اس کو چھوڑ دوں، پھر اللہ پر توکل کروں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ایسا نہ کرو، بلکہ پہلے اونٹ کو باندھو اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔"(سنن ترمذی:2517)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے حصول کے لئے سبب رکھا ہے۔ چنانچہ اس چیز کو پانے کے لئے اس سبب کو پکڑنا لازم ہے جبکہ اس سبب کے اثر کرنے کے لئے اللہ کی اجازت کی ضرورت ہے، پس اللہ پر اعتماد کرنا بھی لازم ہے۔ سبب اختیار نہ کرنا عقل کے خلاف ہے، جبکہ سبب پر تکیہ کرنا اور اللہ پر اعتماد نہ کرنا توحید کے خلاف ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر کسی شخص کو اولاد چاہیئے۔ اولاد پانے کے اسباب میں سے ایک شادی کرنا ہے۔ پس اگر کوئی شخص شادی نہ کرے، اور اولاد کی خواہش کرے تو اہلِ دانش بالاتفاق اسے مجنون قرار دیں گے۔ دوسری جانب، اگر یہ شخص شادی کر لے، پھر سوچے کہ اب تو اولاد لازمی نصیب ہوگی، تو یہ بھی غلط ہے۔ کتنے ہی شادی شدہ جوڑوں کو اولاد نصیب نہیں ہوتی۔ پس اس شخص پر لازم ہے کہ شادی کرنے کے بعد اللہ پر اعتماد کرے کہ وہ اولاد عطا کرے گا۔

بعض لوگوں نے اپنی سستی اور کاہلی پر توکل کی چادر لپیٹ دی اور یہ حیلہ تراش لیا کہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہوتا ہے ہمیں کوئی سبب اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ لوگ اپنے مطلوب کو پانے سے محروم ہی رہیں گے۔

❖ سیلف کانفیڈینس / خود اعتمادی کا نظریہ:

جبکہ دوسری جانب ہمارے ہاں مغرب کی جانب سے "سیلف کانفیڈینس" کی فکر رائج ہوگئی جس کے پیچھے یہ نظریہ چھپا ہے کہ اللہ نے کچھ نہیں کرنا، انسان خود ہی سب کچھ کر سکتا ہے۔ نعوذ باللہ۔ سچی بات تو یہ ہے کہ سیلف کانفیڈینس / خود اعتمادی والا یہ نظریہ مکمل ہی غلط ہے! جن لوگوں کا اللہ پر ایمان کمزور ہے، وہ یہ مانتے رہیں، وگرنہ بندہ مومن جانتا ہے کہ وہ ہر لمحے اللہ کا محتاج ہے، وہ خود کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ فقط سبب پر ہی اعتماد کر بیٹھے مگر یہ بھول گئے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر یہ سبب مؤثر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ آگ جلانے کا سبب ہے، مگر جب اللہ نے اس کو حکم دیا تو یہ ابراہیم علیہ السلام پر اثر انداز نہیں ہوئی۔

چنانچہ توکل کی منزل میں بہت احتیاط کے ساتھ درمیانی راہ اپنانے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں طالب علم کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "قاعدة التوكل" ضرور پڑھنی چاہیئے۔

✦ متن:

12۔انہوں اللہ کی عبادت اس کے حضور ہونے کے اعتقاد سے کی
پس یہ منزلِ احسان پر پہنچ گئے۔

یہ منزل احسان کی منزل ہے، جس کی تعریف نبی ﷺ نے یوں کی تھی:"تم اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اگر اس کو دیکھ نہیں رہے تو (اس طرح عبادت کرو) کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔" پس جب انسان ہر حال میں اس مقام کا تصور رکھے، خاص طور سے عبادت کے وقت تو یہ اس کے دل کو غیر اللہ کی جانب التفات سے روک دے گا۔ بلکہ وہ مکمل طور سے اللہ کی جانب مرتکز ہو گا، اس کا دل اللہ کی جانب متوجہ ہو گا، عبادت میں مؤدب ہو جائے گا، اور انسان ہر تکمیلی چیز کو بجالائے گا اور ہر عیب سے اجتناب کرے گا۔

یہ منزل عظیم ترین اور شاندار منازل میں سے ہے؛ لیکن اس تک پہنچنے کے لئے نفس کو تدررج، درجہ بدرجہ چڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بندہ اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ اس مقام کی جانب کھنچا چلا جاتا ہے پھر انسان کو اپنے اللہ سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے قرب سے مسرت ملتی رہتی ہے۔

✦ شرح:

شعر میں لفظ "حضور " سے مراد یہ ہے کہ اللہ بندے کو دیکھ رہا ہے، یا بندہ گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اس سے ہرگز بھی وہ باطل عقیدہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالی ہر جانب حاضر ہے بلکہ اللہ عزوجل اپنے عرش پر مستوی ہے۔

احسان کا عام شرعی معنی تو کسی کام کو تمام تکمیلی اور تحسینی چیزوں کے ساتھ بجالانا ہے، لیکن اس کا خاص معنی یہی ہے جو امام صاحب نے یہاں بیان فرمایا ہے۔ احسان کی منزل پر دو صورتیں ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے۔ افضل اور اعلی صورت یہ ہے کہ انسان اس طرح عبادت کرے کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ یہ تنبیہ ضروری ہے کہ ہرگز بھی یہ مراد نہیں ہے کہ انسان اللہ کو دیکھ رہا ہے، یا اس کا تصور کرے، نعوذباللہ حاشاوکلا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس انداز سے عبادت کرے کہ جیسے وہ تب عبادت کرتا جب وہ واقعی اللہ کو دیکھ رہا ہوتا۔ اس مقام کو مقامِ مشاہدہ کہتے ہیں۔ اس سے نچلا درجہ یہ ہے کہ انسان اس بات کو مستحضر رکھتے ہوئے عبادت کرے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اسے مقامِ مراقبہ کہتے ہیں۔

ذہن میں رہے کہ احسان کی منزل ایمان سے بھی اعلیٰ منزل ہے، لہذا اس تک پہنچنے کے لئے مسلسل مجاہدہ کی ضرورت ہے۔ اپنے نفس کو اس کی عادت ڈالنی پڑتی ہے، بھلے ایک طویل عرصہ گزر جائے۔ پھر جب انسان اس مقام تک پہنچ جائے تو گویا وہ دنیا میں ہی جنت کی عیش کر رہا ہے۔ یہ مقام اس قدر حلاوت اور لذت لپیٹے ہوئے ہے کہ گویا یہ دنیا میں ایک جنت ہے۔

✦ متن:

13۔ محبوب کی رضا کی خاطر مخلوق کی خیر خواہی کرتے ہیں

علم، ارشاد اور احسان (بھلائی) کے ذریعے

14۔ جسمانی طور پر مخلوق کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن

ان کی ارواح تو ایک بلند و بالا منزل میں ہوتی ہیں

ان سائرین کا مخلوق کے ساتھ بڑا کامل اور شاندار تعامل ہوتا ہے۔ یہ مخلوق کی بہت خیر خواہی کرتی ہیں، ان کے لئے وہی پسند کرتے ہیں جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں، ان کے لئے وہی ناپسند کرتے ہیں جو اپنے لئے بھی ناپسند کرتے ہیں۔ ہر ممکنہ کوشش کرتے ہیں کہ ان سے برائی کو دور کر دیں، اور اپنی استطاعت کے مطابق ہر فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ امر بالمعروف، نہی عن المنکر، بھوکے کو کھانا کھلانا، ضرورت مند کو کپڑے پہنانا، مجبور کی مدد کرنا، جاہل کو تعلیم دینا، ظالم کو روکنا، مظلوم کی مدد کرنا، تکالیف دور کرنا، اپنی طرف سے کوئی تکلیف نہ پہنچنے دینا، اور ظاہری جسمانی طور پر ان کے ساتھ رہنا ان کا کام ہے۔

جہاں تک ان کے دلوں اور روحوں کا معاملہ ہے: تو وہ حبیب کے گرد چکر کاٹ رہی ہوتی ہیں، اس سے زیادہ سے زیادہ قرب مانگتی ہیں، کبھی اس کے سامنے خشوع و خضوع کی شدت سے ٹوٹ کر رہ جاتی ہیں، کبھی اس کی محبت میں اس کا شکر ادا کرتی ہیں، کبھی اس کے احسانات اور قرب کا ذکر کرتی ہیں، کبھی اس کی رضا کی جانب مائل ہو جاتی ہیں۔ اس کی عبادت میں محنت کرتی ہیں، اس کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرتی ہیں۔ پس یہی اصل انسان ہیں، بلکہ یہی اصل عقلمند اور دانشور ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ

✦ شرح:

اس شعر میں امام صاحب نے تمام دین کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ دین تمام کا تمام دو چیزوں پر مشتمل ہے: خالق سے اچھا معاملہ اور مخلوق سے حسنِ تعامل۔ جو ان دو کو جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس نے دنیا آخرت کی خیر پالی۔ خلقت کے ساتھ جسمانی طور پر مشغول ہوا جاتا ہے، اور دل اللہ عزوجل کے ساتھ معلق ہوتا ہے۔ جب وہ مخلوق کے ساتھ کوئی بھلائی کرتے ہیں تب بھی وہ دراصل اللہ کا قرب ہی چاہتے ہیں کیونکہ مخلوق سے حسنِ معاملہ کی بنیاد بھی اللہ کا حکم ہی ہے۔ چنانچہ اللہ کی رضا اور قرب چاہنے کا احساس ان کے دل سے کسی لمحے نہیں نکلتا۔

✦ متن:

15۔انہوں نے تمام حقائق ومشاہد کا خیال رکھا ہے

اس ڈر سے کہ کہیں ایمان میں نقص واقع نہ ہو جائے

یہ منزل ایمانی حقائق اور منزلِ احسان کے مشاہد کی رعایت کا ہے۔یعنی بندہ اپنے احوال پر غور کرتا رہے،اپنے اعمال میں نقص پر تفکر کرتا رہے۔ بلکہ عمل سے پہلے محنت کرے، عمل کرتے وقت بھی محنت کرے،اس کی تصحیح اور تحسین کے لئے، پھر اس کو خراب کرنے والی اور نقص ڈالنے والی چیزوں سے بچائے اور پاک رکھے۔کیونکہ عمل کرنے سے زیادہ مشکل اس کی حفاظت کرنا ہے۔جتنا زیادہ انسان اپنے عمل کے لئے اہتمام اور محنت کرتا ہے،اتنا اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔اور جتنے یہ عناصر کم ہوتے ہی ایمان بھی اتنا ہی کم ہو جاتا ہے۔

عمل کرتے وقت جس چیز کا سب سے زیادہ اہتمام کرنا چاہئے وہ احسان کا مشہد ہے۔یعنی یہ لالچ ہو کہ عبادت دل کو اللہ کی جانب حاضر اور جمع کر کے کی جائے۔اسی طرح اللہ کے احسان کی رعایت کرنا اور اس کا بہت زیادہ شکر کرنا کہ اس نے اس عمل کی توفیق دی،یہ بھی بہت اہم ہے۔مزید یہ کہ اپنی تقصیر کو بھی توجہ دی جائے، کہ میں اس عبادت کا حق نہیں ادا کر سکا،نہ ہی اس کو ان تمام چیزوں کے ساتھ بجالا یا جن کی یہ مستحق تھی۔خوف اور رجا کی رعایت بھی اہم ہے۔انسان ڈرے کہ یہ عبادت میری خود پسندی، ریاکاری، تکبر یا حق ادا نہ کر پانے کی وجہ سے رد نہ کر دی جائے۔اور امید رکھے کہ اللہ اپنی رحمت، احسان اور نعمت سے قبول کر لے گا، جیسا کہ اس کی توفیق سے ہی یہ عمل ہوا ہے۔

✦ شرح:

اس کے بعد امام صاحب رحمہ اللہ نے منزلۃ الرعایۃ بیان کی ہے۔رعایت سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کو محفوظ کرے اور اس سے لاپرواہ نہ ہو جائے۔اور اس کی اصل اللہ عزوجل کے فرمان میں ہے کہ:وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا(اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کر لی، ہم نے اس کا حکم نہیں دیا تھا سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی رضا طلب کریں۔اس کی رعایت جیسا چاہیے تھا انہوں نے ملحوظ نہ رکھی)امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اللہ عزوجل نے ایک ایسی عبادت، جو اس نے مشروع ہی نہیں کی تھی، اس کی رعایت نہ کرنے پر مذمت کی ہے۔تو جن عبادات کو اللہ نے مشروع کیا ہے اور ان کا حکم دیا ہے، ان کی رعایت نہ کرنے کا کیا معاملہ ہو گا؟"

جیسا کہ امام صاحب نے ذکر کیا ہے، رعایت یعنی عمل کی حفاظت متعدد طریقے سے ممکن ہے۔جن میں سے کچھ عمل سے قبل ہیں، مثلاً انسان اللہ عزوجل کے لیے نیت خالص کرے، انسان اس عمل کے بارے میں ضروری علم حاصل کرے تاکہ وہ سنت کے مطابق انجام دے سکے، اور دیگر طریقوں سے اس عمل کے لیے تیاری کرے۔پھر دورانِ عمل بھی حفاظت کے طریقے اختیار کرے؛ اپنی توجہ اپنے عمل پر رکھے تاکہ شیطان اس کے عمل میں سے کچھ حصہ نہ اچک سکے، اپنے عمل کو زیادہ سے زیادہ خوبصورت بنا کر بارگاہِ الٰہی میں پیش کرے۔اور جب عمل کو تکمیل تک پہنچا دے، تو بھی اس کی حفاظت پر پہرا دے: ریاکاری وسمعہ، نمود ونمائش کے ذریعے ضائع نہ ہونے دے، اس کے قبول ہونے کی اللہ عزوجل سے دعا

کرتا رہے، اس میں اپنی کمی کوتاہی کو یاد رکھے تاکہ اس کے دل میں تکبر پیدا نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت میں عموماً عبادات کے بعد استغفار کا حکم آیا ہے۔

اس منزل کے بارے میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ بندہ اپنے نیک عمل کے بارے میں حساس اور منتبہ رہے؛ اس کی حفاظت کا ہر ممکن طریقہ بجالائے اور اس کو برباد نہ ہونے دے۔

✦ متن:

16۔ تمام شواغل سے دلوں کو دور کرلیا ہے
اپنے دلوں کو غیر اللہ سے پاک کرلیا ہے۔
17۔ ان کی حرکت، فکر، اور عزم سارے ہی
اللہ کے لئے ہیں، مخلوق یا شیطان کے لئے نہیں

یعنی انہوں نے دل کو ہر اس چیز سے پاک کر لیا ہے جو اللہ سے مشغول کر دے، اور اس کی رضا سے دور کر دے۔ اور یہی زہد ہے۔ اور یہ پاک کرنا ہی کافی نہیں ہے، حتی کہ انسان دل کو نفع مند افکار اور سچے عزم سے بھر دے۔ پس انسان کے تمام افکار اللہ کا قرب پانے کے مرکز کے گرد گھومیں۔ مثلاً؛ علم حاصل کرنا، قرآن میں تدبر، اللہ کا ذکر کرنا حضورِ قلب کے ساتھ، عبادت اور احسان میں غور فکر کرنا، گناہ اور خطا سے ڈرنا، اللہ کی صفات میں غور و فکر کرنا، اس کو تمام عیوب اور نقائص سے پاک قرار دینا، قبر اور اس کے احوال یا قیامت اور اس کی ہولناکی میں تفکر کرنا، جنت اور اس کی نعمتوں میں غور کرنا، یا جہنم اور اس کے عذاب پر غور کرنا۔

پس ان کے تمام افکار انہی چیزوں کے گرد گھومتے ہیں، پست امور سے پاک ہیں۔ وہ ایسی چیزیں نہیں سوچتے جو بندے پر غم اور وبال کے علاوہ کچھ نہیں لاتے، وقت ضائع کرنے کا سبب ہوتے ہیں، اور بندے کے لئے دنیا آخرت میں نفع مند نہیں ہوتے۔

✦ شرح:

شواغل ایک جامع نام ہے، ہر اس چیز کے لیے جو دل کو اس اصل مقصد سے پھر دے۔ کیونکہ دل تو اللہ عزوجل کے ذکر، اس کی توحید اور اس کی عبادت کے لیے ہی بنائے گئے ہیں۔ پس ہر وہ چیز جو اس کو اس سے پھر دے وہ شواغل اور صوارف میں آئے گی۔ اور یہ چیزیں لاتعداد ہیں، اس لیے ہر انسان کو چاہیے اپنا محاسبہ کرے، اپنے معمولات پر نظر دوڑائے کہ کون کون سی چیزیں اسے اللہ عزوجل کے ذکر اور عبادت سے روکے رکھتی ہیں۔ کسی دنیاوی مقصد مال و دولت کیریئر وغیرہ کی فکر ہے، یا کسی محبوب کی یادیں ہیں جو اس کے دل میں اللہ کی یاد داخل نہیں ہونے دیتیں!

پھر شیخ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ دل کو محض ان شواغل سے پاک کر لینا کافی نہیں، بلکہ دل کو نفع مند افکار سے بھرنا بھی ضروری ہے۔ اور یہ بات تزکیہ اور سیر الی اللہ کے باب میں بڑے قواعد میں سے ہے: التخلیہ اور التحلیہ کو جمع کرنا۔ تخلیہ یعنی دل کو ہر غیر مناسب چیز سے خالی کرنا، اور تحلیہ یعنی اس کو نیک خیالات و افکار اور عزائم سے آراستہ کرنا۔

✦ متن:

18۔ یہ (تمام اوصاف) ان راستوں پر چلنے کے خواہشمند کے لئے بہترین ہیں جو راستے خیر اور احسان تک پہنچا دیتے ہیں۔

پس یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا رفیق بہت خوش بخت ہوتا ہے اگر وہ ان کے راستے پر ہی چلے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس سے سوال کریں وہ ہمیں ان کے راستے کی جانب ہدایت دے، اس نے ان پر انعام کیا ہے سچے ایمان کے ذریعے۔

ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں صراط مستقیم کی جانب ہدایت دے، ان لوگوں کا راستہ جن پر اس نے انعام کیا۔

مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓىِٕكَ رَفِيْقًا

(انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں)

اور یہ کہ وہ ہمیں غضب، گمراہی کے راستوں سے بچائے جو رسوائی اور وبال تک لے جاتے ہیں۔ بے شک وہ تمام کرم کرنے والوں سے بڑھ کر کرم کرنے والا، اور تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

اللہ سے میری دعا ہے، اس کے اسماء الحسنیٰ، صفات اور اس کی نعمتوں کے وسیلے سے؛ کہ وہ ہمیں ہماری کمی کوتاہیوں اور گناہوں کے باعث اس خیر سے محروم نہ کرے جو اس کے پاس احسان اور معافی کی صورت میں ہے۔ اللہ اسے اپنے لئے خالص کرلے، اور اپنے ہاں جنتوں میں کامیابی کا سبب بنادے۔ آمین یارب العالمین

والحمد لله رب العالمين، اولاً وآخراً، وظاهراً وباطناً، حمداً كثيراً مباركاً فيه، كما ينبغي لكرم وجهه وعز جلاله۔

وصلى الله على محمد النبي المبعوث، رحمة للعالمين وعلى آله وصحبه اجمعين، وسلم تسليماً كثيرا